Title – KHUTBA-E-BATAQREEB JALSA-E-ISNAAD.

Creator – Jamia Usmania Hyderabad.
Nawab Sir Nizamat Jang Bahadur.

Publisher – Matba-e-Dar-ul-Taba Jamia Usmania (Hyderabad).

Date – 1930.

Pages – 36.

Subjects –

جامعۂ عثمانیہ

خطبہ

نواب سر نظامت جنگ بہادر

سی۔آئی۔ای، او۔بی۔ای، ایم۔اے، ایل ایل بی (کیمبرج)

میر شعبۂ فنون جامعۂ عثمانیہ

بتقریب جلسۂ تقسیم اسناد

سنہ ۱۳۳۸ھ م سنہ ۱۳۲۹ف م سنہ ۱۹۲۰ء

حیدرآباد دکن

مطبوعۂ دار الطبع جامعۂ عثمانیہ سرکار عالی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عالیجناب امیر جامعہ! رفقاء و طیلسانین جامعہ و معزز حاضرین!
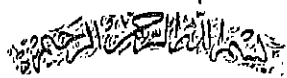
تقریباً ایک ماہ قبل جب مجھے اطلاع دی گئی کہ جناب امیر جامعہ کا یہ منشاء ہے کہ اس سال کے تقسیم اسناد کے جلسہ میں خطبہ میں دوں تو ابتداءً مجھے ایسے بارگراں کو اپنے ذمہ لینے میں تامل ہوا جس کی قابلیت میں اپنے آپ میں نہ پاتا تھا، مگر غور مکرر کے بعد احساس فرض میرے اس پس و پیش پر غالب آگیا، اور میں نے خیال کیا کہ اگرچہ مجھ میں کسی عظیم الشان خطبہ دینے کی قابلیت موجود نہ ہو، کیونکہ میں نے کبھی بڑے مقرر ہونے کی آرزو نہیں کی، تاہم میں آپ لوگوں کے سامنے بعض اُن خیالات اور حقائق کو ظاہر کرسکوں گا جو طالب علمی کے زمانہ سے لے کر اس وقت تک میرے دل و دماغ میں جاگزیں ہیں، چونکہ یہ زندگی کے

راستہ میں مجھے شمع ہدایت کا کام دیتے رہے ہیں ممکن ہے کہ انسے ایسے نوجوانوں کو کچھ مدد ملے جن کے دل ابھی تک زندگی کی بدنما حقیقتوں کے اثر سے سخت اور بے حس نہیں ہو گئے ہیں۔

میں اُمید کرتا ہوں کہ جامعہ عثمانیہ کے طالب علم ہنوز ایسی حالت میں ہیں کہ زندگی کو ایک جلیل القدر مہم تصور کریں جسے وہ اپنی کوششوں سے اور زیادہ باعظمت اور شاندار بنا سکتے ہیں اسی خیال سے انھیں کام کرنا چاہیئے اور اسی کے یاد دلانے کیلئے آج میں یہاں آیا ہوں۔ میں آپ لوگوں کو کوئی وعظ سنانا نہیں چاہتا بلکہ سیدھی سادی زبان میں ایسی باتیں کرنا چاہتا ہوں جن سے آپ کو دلچسپی ہو اور جس سے اس وقت اور آیندہ چلکر آپ کو کچھ فائدہ پہنچ سکے۔

میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اس کا مطلق اندیشہ نہیں کہ میں جوش فضیلت میں آکر کوئی عالمانہ تقریر شروع کردونگا کیونکہ یہ وہ چیز ہے جسے میں نے کبھی پسند نہیں کیا۔ میری ہمیشہ یہ خواہش رہتی ہے کہ میں حقیقت اشیاء کی تہہ کو پہونچوں تاکہ ان کے

حسن، ان کی سود مندی، اور ان کے وجود کے اصلی مقصد کو دریافت کرسکوں، اور اسی نے میرے خیالات کو زندگی کے اہم مقاصد کی طرف مایل کرکے بعض آرا کے قایم کرنے کا موقع دیا ہے جنھیں میں آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں ۔

اگرچہ مجھے تعلیمات کے سررشتہ سے کبھی کوئی درحقیقت انتظامی تعلق نہیں رہا ہے مگر میں تعلیم کے اصلی مقصد پر اور ان تعلقات پر جو اس میں اور انسانی دل ودماغ اور انسانی ضروریات میں پائے جاتے ہیں، سالہاسال سے غور کرتا چلا آتا ہوں ۔

اصل مقصد تعلیم کی نسبت صاف اور صریح الفاظ میں سوال یہ ہے کہ انسان کو تعلیم سے کیا فائدہ ہے اور یونیورسٹیوں کے قیام کا کیا مقصد ہے؟ پہلے اس سوال کے دوسرے جزو کی طرف توجہ کیجاتی ہے - یونیورسٹی (یا جامعہ) کیا ہے اور اس سے کیا مقصد حاصل ہوتا ہے؟

اسکے جواب میں میں کسی تعریف کی کوشش کرنے کی

ضرورت نہیں ہے اگر اس کا صحیح مفہوم ہمارے ذہن میں آجائے۔ اسلئے اسی قدر کہہ دینا کافی ہے کہ یونیورسٹی یا جامعہ نوجوانوں کی ایک انجمن ہے، اور اس کا مقصد ایک طرف ایسے علم کا حصول ہے جو زندگی کے کارخانے میں انھیں اچھا کاریگر ثابت کرے اور دوسری طرف انھیں صداقت اور نیکی کے اعلیٰ مدارج کی طرف لیجائے اور یہی وہ دو اجزا ہیں جن سے عملی حسن اخلاق مرکب ہے، اور علم کی تمام بالائی عمارت کی اصل بنیاد اسی پر قائم ہے۔ ہم سب اس سے واقف ہیں کہ وہ نوجوان جو بلند خیالات، اور پاکیزہ احساسات کے پرسکون فضا، اور اپنے سے زیادہ پختہ مغز اصحاب کے زیر ہدایت رہتے اور باہم ملکر کام کرتے ہیں وہ ظاہر ہے کہ زندگی کے مختلف فرائض ان لوگوں سے بہتر طریقہ پر انجام دینے کے قابل ہونگے جنھیں ایسے مواقع نہیں ملتے۔ اس سے یونیورسٹی یا جامعہ کی ضرورت اور اسکے مفید ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ آپ لوگوں کو چاہئے کہ صرف یونیورسٹی میں رہنے تک نہیں بلکہ دنیا کی بڑی کاروباری یونیورسٹی میں داخل ہوکر بھی اس امر کو یاد رکھیں، کیونکہ وہاں آپ سے ہر موقع پر یہ توقع کیجائیگی کہ آپ اپنے

ذاتی جوہر دکھائیں تاکہ معلوم ہو سکے کہ آپ کی دماغی ساخت میں
صحیح علم کی خالص دھات یا غیر صحیح علم کے کھوٹ کا جز غالب ہے،
اور آیا آپ کی فطرت ایسی پاک و صاف ہو گئی ہے کہ وہ ہمیشہ زندگی
کے برترین نظریات کی طرف بڑھتی ہے، یا آپ کے حوصلہ سطحی علم نے
آپ میں یہ ادنیٰ خواہش پیدا کر دی ہے کہ آپ اس سے صرف
حصولِ اجرت کا کام لیں۔ مجھے یہ کہنے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی کہ
جو شخص علم محض اسی غرض سے حاصل کرتا ہے کہ وہ اسے بڑی سے بڑی
قیمت پر فروخت کر سکے وہ نہ فطرت اور نہ یونیورسٹی کی تخلیق کا بہترین
نمونہ سمجھا جا سکتا ہے۔ تعلیم یافتہ اشخاص کا بہترین نمونہ وہ ہے جو اپنے
علم اور قابلیت کو اپنے ابنائے جنس کے فائدے کے لئے ایک امانت
تصور کرتا ہے اور خود راہِ راست پر چلنے کیلئے اسکو اپنا ہادی اور
رہنما بناتا ہے، خواہ ایسا شخص کسی حالت میں ہو، امیر ہو یا غریب۔

فرض

یہ امر اچھی طرح یاد رکھنا چاہئے کہ حقیقی عزت کا مقام

فرض کا مقام ہے اور تعلیم یافتہ شخص اپنا فرض ہر جگہ ادا کر سکتا ہے خواہ وہ کسی جگہ کھڑا کر دیا جائے۔ فرض کے معنی اس عمل کی بجا آوری ہے جو ہمیں دوسروں کے اور خود اپنے ضمیر کے ساتھ کرنا چاہئے۔ زندگی کے مختلف تعلقات ہمیں مختلف مقامات پر متعین کر دیتے ہیں جنہیں سے بعض اعلیٰ اور بعض ادنیٰ کہلاتے ہیں، مگر مقام فرض اس وجہ سے کہ اس کا تعلق براہِ راست ہمارے ضمیر سے ہے اپنی جگہ پر قائم رہتا ہے۔ پھر ہمیں اپنے دل و دماغ کی اس طرح پرورش اور تربیت کرنی چاہئے کہ وہ اپنے فرض سے آگاہ ہو کر یہ سمجھنے لگیں کہ ان کے دستور میں وہی ایک مقام عزت کا ہے۔ کسی کام کو اپنے خیال کے مطابق بہترین طریقہ سے کرنا۔ گو اس میں ہمارے بنیادی مقاصد کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو اور ہر کام کی انجام دہی میں جو ہمیں زندگی میں کرنا پڑے خواہ وہ کسی کا بتایا ہوا ہو، یا خود اختیار کردہ ہو، اور خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا یہ سمجھنا کہ جو کچھ ہم نے کیا وہ ہمارے معیار صداقت اور دیانت سے گرا ہوا نہیں ہے، یہی فرض کا صحیح احساس ہے جس کی تکمیل پر انسان کا قلب اس خیال سے مطمئن ہو جاتا ہے کہ اس نے

جو کچھ کیا وہ شریفانہ طریقہ سے کیا ہے ۔ اور تعلیم یافتہ شخص ہی بہ نسبت
اوروں کے اس کا زیادہ احساس رکھتا ہے ۔ فرض اور عزت دونوں
اپنی اندرونی تعلّقات کی بنا پر اس طرح باہم پیوستہ ہیں کہ وہ ایک
دوسرے سے جدا نہیں کئے جا سکتے ۔

اس موقع پر اگر صحیح فضا پیدا کرنے کے لئے اقامتی
یونیورسٹی کی ضرورت کے متعلّق کچھ کہا جائے تو شاید بیجا نہ ہوگا ۔
یہ امر مسلّمہ ہے کہ صحیح تعلیم صرف مخصوص اور موافق حالتوں میں
دی جا سکتی ہے، اور اسی وجہ سے اقامتی مدرسے اور اقامتی یونیورسٹیاں
مفید سمجھی جاتی ہیں ۔ میں امید کرتا ہوں کہ وہ زمانہ قریب آرہا ہے
جبکہ ہماری توقعات پوری ہونگی اور ہم بہت سے اچھے اچھے اقامتی
کالج اسی یونیورسٹی سے ملحق پائینگے اور وہ خود ایک اقامتی یونیورسٹی
ہوجائیگی اور یہ حالت ہمارے نوجوان یعنی آیندہ نسلوں کی نجات
اور حفاظت کا موجب ہو جائیگی ۔ تجربہ اس امر کا شاہد ہے کہ حیدرآباد
کے معاشری حالات کی وجہ سے اکثر ہمارے نوجوان، زندگی کے
سب سے نازک اور اہم منزل پر پہنچکر بگڑ جاتے ہیں ۔ لڑکے ایک خاص

عمر مثلاً چودہ سال کی عمر تک اپنے کام میں اچھی توجہ کرتے اور دلچسپی
لیتے نظر آتے ہیں اور ہونہار معلوم ہوتے ہیں مگر اس پر دو ایک
سال گزر جانے کے بعد ان میں بین طور سے انحطاط محسوس ہونے لگتا
ہے۔ اونکو سابقہ ایسی چیزوں سے پڑتا ہے جو ان کی توجہ کتابوں
سے ہٹا کر اپنی طرف مبذول کر لیتی ہیں، وہ خراب صحبتوں میں پڑکر
اچھی صحبتوں سے بھاگنے لگتے ہیں اور اس طرح ان کے دل ضروری
کام سے اوچاٹ ہو کر عیش و آرام کے اشغال میں پڑ جاتے ہیں بلکہ
یہ کہنا چاہئے کہ بری خواہشوں سے خراب ہوتے جاتے ہیں، اس کی
وجہ یہ ہے کہ ان کی خانگی زندگی میں کوئی چیز ایسی نہیں ہوتی جو ان کی
دلچسپی کا موجب ہو سکے، وہاں اونکو کوئی صحبت نہیں ملتی کیونکہ وہ
اپنے والدین کو اپنے آپ سے بہت اونچا، اور اپنے چھوٹے بھائی
بہنوں کو اپنے آپ سے بہت نیچا پاتے ہیں۔ اور یہ تکلیف دہ
احساس کہ گھر کے لوگوں کے کسی طبقہ میں انکی ٹھیک گنجایش نہیں ہے
ان کو اس طرف مائل کرتا ہے کہ وہ گھر سے باہر کوئی صحبت تلاش کریں
اور یہی ان کی تباہی اور خرابی کا سبب ہو جاتی ہے۔

ملک کے نوجوانوں کو بچانا نہایت ضروری ہے تاکہ وہ آیندہ چلکر ملک کے اچھے اور مفید رکن ثابت ہوسکیں اور اس مقصد کیلئے مناسب خیالات اور ماحول کا پیدا کرنا یقیناً ہمارا فرض ہے ۔ مجھے اُمید ہے کہ اس اہم حفاظتی کام میں نمایاں حصہ جامعہ عثمانیہ کا ہوگا جبکہ وہ خود اقامتی یونیورسٹی ہو جائیگی اور بہت سے اقامتی مدرسے اور کالج اسکے آغوش تربیت میں پرورش پانے لگیں گے ۔ اب مجھے کسی قدر تفصیل سے یہ بھی بتادینا ضروری ہے کہ خود میرا خیال تعلیم کے متعلق کیا ہے ۔

تعلیم اور کلچر (Culture)

میرے نزدیک تعلیم سے مراد انسان کی وہ روحانی ترقی اور شائستگی ہے جو اکتساب علم کے ذریعہ سے حاصل ہوتی ہے، جب اس پر اس طور سے نظر ڈالی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ تعلیم ہماری زندگی کے مشکل ترین مسایل میں سب سے اہم مسئلہ ہے اور ہمیں چاہیے کہ جس طرح ممکن ہو اسکو اپنے لیئے حل کریں ۔ اسکا کیا سبب ہے

کہ اہلِ مغرب صدیوں کی یکارآمد ترقی کے بعد اس وقت اس کی
روحانی کمی کو محسوس کرنے لگے ہیں؟ کیا ہم اس سے متنبہ ہو کر اپنے
نظامِ تعلیم کیلئے ایسے طریقے نہیں اختیار کر سکتے جو ہمیں ان غلطیوں
سے محفوظ رہنے میں مدد دیں جو دوسرے لوگ کر چکے ہیں؟ اگر ہم نے
ایسا نہ کیا تو مجھے یہ اندیشہ ہے کہ ہمارے مدرسے کالج اور یونیورسٹیاں
سب ممالک غیر کے نقلی اور ادنیٰ قسم کے سامان مہیا کرنے کے
گراں خرچ کارخانے ثابت ہوں گے اور ایک غیر مطمئن اور مضطرب
فضا پیدا کر دینگے جیسا کہ دوسرے مقامات پر ہو رہا ہے۔ میں ذاتی
طور سے مغربی تہذیب کی بہترین چیزوں کا مداح اور پسند کرنے
والا ہوں کیونکہ مجھے خود انگلستان کی ایک قدیم یونیورسٹی سے
تعلق رہا ہے مگر میں ابھی تک یہ یاد نہیں کر سکا ہوں کہ ہمارے
ہندوستانی ادارات جو تربیت انسانی دل و دماغ کے لئے مہیا
کر رہے ہیں وہ بہترین قسم کی تربیت ہے۔

تربیت (Culture) کے لفظ سے میرا
خیال اس طرف جاتا ہے کہ یہ وہ لفظ ہے جو ہماری زبان پر بار بار آتا

مگر باوجود اسکے ہم اس کے حصول کیلئے بہت کم کوشش کرتے ہیں فہمی سے یہ لفظ کثیر مطالعہ اور وسیع علم کا مترادف ہو گیا ہے۔ دماغ کو جدید اور قدیم واقعات سے معمور اور مملو کر لینا ممکن ہے کہ اسے عجائب خانہ یا ذخیرہ علوم بنا دے، لیکن اس سے لازمی طور پر وہ عمدہ صفت نہیں پیدا ہوتی جس کا مفہوم لفظ تربیت سے پیدا ہوتا ہے یعنی وہ صفت جو فطرت اور انسانی افعال کی عمدگی، حسن، اور شان و شوکت کے اشارات اور کنایات کو سمجھتی اور ان پر کاربند ہوتی ہے، صحیح تربیت سے یہ صفت پیدا ہوتی ہے اور انسان کے دل کو ایسا ذی حس آلہ بنا دیتی ہے کہ وہ عمدہ جذبات سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

صداقت، حسن، اور نیکی کی قوتیں ہم میں اور ہمارے گردو پیش ہمیشہ موجود رہتی ہیں اور ہم ان کے اختلاط سے اپنے آپ کو شاد و خرم رکھ سکتے ہیں، اور یہ صحیح تربیت ہی سے ہم کو حاصل ہو سکتا ہے، مگر ہم اکثر ان مادی دنیوی فوائد کے پیچھے پڑ کر جنہیں ہم تنہا تعلیم کا معاوضہ تصور کرتے ہیں، اس حقیقت کو یاد نہیں رکھتے۔

ہماری اعلیٰ فطرت کا تقاضا اور سخت تقاضا ہے کہ ہم اپنی زندگیوں کو خوشنما، عمدہ، اور صادق بنائیں۔ یہ درحقیقت قدرت کا ایک قانون ہے پھر صحیح تعلیم سے ہمارے لئے ایک ایسی فضا پیدا ہونی چاہیئے جس سے ہمارے اعلیٰ دماغی قویٰ روشنی اور غذا حاصل کرتے رہیں، اور خودغرضی اور حرص وہوا اور دوسری بلاؤں سے جوان سے پیدا ہوتی ہیں بالکل محفوظ اور مصئون ہوجائیں۔ یاد رکھیئے کہ تعلیم کا شریف ترین مقصد اپنے بہترین معنوں میں تربیت ہے اور سب سے بڑا معلم فطرت ہے نہ کہ کتابیں۔ کتابیں جو کچھ کرتی ہیں وہ یہی ہے کہ وہ فطرت کے کارناموں کو ضبط تحریر میں لے آتی ہیں، اور کتابوں میں بہتر کتابیں وہ ہیں جو فطرت کے کارناموں کو اسطرح ضبط تحریر میں لاتی ہیں کہ وہ ہمیں خود فطرت کے سامنے لیجا کر حاضر کردیتی ہیں۔ جب کتابیں ہماری یہ خدمت کرنے لگتی ہیں، اور جب ہمارا دل فطرت یا انسانی افعال کے کسی ایسے واقعہ سے جو عمدہ، خوشنما، متناسب، یا رفیع اور عظیم الشان ہو پوری طرح متاثر ہوکر خاص جذبات محسوس کرنے لگتا ہے صرف اسی وقت یہ کہا جاسکتا ہے

کہ ہم میں تعلیم نے شائستگی اور تربیت پیدا کر دی ہے۔

میرا ہرگز یہ مقصد نہیں کہ میں کتابوں کی اہمیت میں
کسی قسم کی کمی کروں، اور نہ میں اس سے ناواقف ہوں کہ یونیورسٹی
کی زندگی کا تعلق زیادہ تر کتابوں ہی سے ہوتا ہے اور اسی زندگی
میں آپ لوگوں کو کتابوں سے الفت اور دوستی پیدا کرنے کا
بہترین موقع ملتا ہے، مگر اسکے ساتھ ہی میں آپ لوگوں کو اتنی
صلاح ضرور دونگا کہ آپ لوگ اپنے پڑھنے کی کتابوں میں محتاط
رہیں کیونکہ کتابیں مثل دوستوں کے اچھی بری دونوں طرح
کی ہوسکتی ہیں۔ ان کے جانچنے کا عملی معیار یہ ہے کہ اچھی کتابیں وہ
ہیں جو آپ کے دل میں اچھے خیالات پیدا کرتی ہیں اور آپ کو
اچھا بنانے میں ممد ہوتی ہیں۔ جب آپ لوگ کوئی کتاب پڑھیں تو
اسکے حسن و قبح کے جانچنے میں اس معیار کو نہ بھول جائیں اور اسکا
ہمیشہ خیال رکھیں کہ کتابوں کے مطالعہ میں ایک نقص یہ بھی ہے
کہ انسان دوسرے لوگوں کے خیالات کے اتباع کا خوگر ہو جاتا ہے
اور آخر میں ان خیالات کو اپنے خیالات سمجھنے لگتا ہے۔ اس سے

ہمیشہ اپنے آپ کو بچانا چاہئے اور اپنے ذہن میں ایسے اکتسابی علم کو جیسے اکتسابی علم ہی کے نام سے موسوم رکھنے کی کوشش کرتا چاہئے۔ پڑھتے وقت اپنے دماغ کو بیدار رکھنا، اور جو خیالات مطالعہ سے پیدا ہوں ان پر غور کرنا، اور انکی نسبت اپنی رائے قائم کرنا، اور ان سے نتائج نکالنا اور اس طور سے خود اپنی کوشش سے حقیقت تک پہونچنا اور اسے بخوبی سمجھ لینا بھی ضرور ہے۔ علاوہ بریں اسکی بھی ضرورت ہے کہ جو کچھ آپ لوگ پڑھیں اسے کامل طور سے سمجھیں اور اسکے امتحان اور تصدیق کیلئے خود ان اشیاء کی اندرونی اور بیرونی فطرت کی تلاش کریں تاکہ آپکے دل مطمئن ہو جائیں۔ مطالعہ سے تخیل کی قوت میں اضافہ ہونا چاہئے مطالعہ تخیل کا قائم مقام نہیں ہو سکتا۔

کتابوں کے مضمون کے سلسلے میں چند امور اور قابل بیان ہیں۔ میں آپ لوگوں کو خصوصیت کے ساتھ تاریخ کے مطالعہ کا مشورہ دونگا۔ تاریخ علم کا ایک اہم بالشان شعبہ ہے کیونکہ دنیا میں وہی انسانی افعال کا کارنامہ ہے۔ فطرت کا تقاضا

کہ انسان معطل اور بیکار نہ رہے بلکہ کچھ نہ کچھ کرتا رہے، اور اسی بنا پر
وہ صدیوں سے اچھے یا برے کام کرتا چلا آیا ہے۔ وہ ہزاروں اپنے
نفس یا وجدان کی ضلالت کیوجہ سے غلط راستہ پر چلتا رہا، لیکن
اسی راستہ میں اسے صداقت، حسن، اور نیکی سے بھی سابقہ پڑا
اور اسکی نیک عقل نے ان کو پہچان لیا، اور اس وقت سے اسکے
دل میں ان دو متضاد رجحانات میں کشمکش شروع ہوگئی اور وہ کبھی
ایک طرف اور کبھی دوسری طرف مائل ہوتا رہا۔ مگر شکر ہے کہ
اسی دوامی کشمکش کی بدولت وہ دنیا میں ایسے کام کرنے کے قابل
ہوگیا جو مستقل قدر و قیمت رکھتے ہیں۔ یہ وہ سبق ہے جو ہمیں تاریخ
سکھاتی ہے، اور دنیا کی مجموعی تاریخ اس عالم میں انسان کی خود نوشتہ
سیرت ہے۔ تاریخ پڑھتے وقت آپ کو جو کرنا ہے وہ یہ ہے کہ
آپ انسان کے ان افعال کی تہہ تک پہنچیں جو واقعات کے
خس و خاشاک کے تودوں سے ڈھکے ہوئے ہیں، اور اسکی غلطیوں
بیہودگیوں، اور اسکے عزائم اور اسکے فتوحات پر غور کریں اور
ان واقعات پر نہ بطور فخر نظر ڈالیں بلکہ یہ دیکھیں کہ ان واقعات نے

بجائے خود اعلیٰ زندگی کے مناظر انسان کے پیش نظر کر دینے میں
کس طرح مدد کی ہے۔ انسان نے جو کچھ سیکھا ہے وہ تجربہ سے سیکھا ہے
اور تاریخ، انسان کے تجربات کو آپ کے سامنے لاتی ہے اور ہر
جدید نسل کو بتاتی ہے کہ وہ گذشتہ نسلوں کی غلطیوں سے کس طرح
محفوظ رہ سکتی ہے اور اس کے عمدہ اور عظیم الشان کاموں میں کس طرح
ترقی اور اضافہ کرنا ممکن ہے۔

حکمت (سائنس)

سائنس کی طرف سے کبھی غفلت نہ کرنی چاہیئے
اس کا ابتدائی مفہوم علم ہے جس سے آگاہی انسان کا فرض اور
اس کا فخر ہے اور حقیقت اشیاء سے واقفیت انسانی دل و دماغ
کا اہم ترین کام ہے۔ نہ صرف اسی سے بلکہ بقول افلاطون کارخانۂ قدرت کو
بخوبی سمجھنے میں بھی حکمت ہماری مدد کرتی ہے۔ یاد رکھیے کہ حکمت
بجائے انحراف کے خدا کی طرف ہماری رہنمائی کرتی ہے، اگرچہ اس
سے بعض دانشمندوں نے اختلاف کیا ہے۔ اشیاء کا مطالعہ بمنزلہ

اس علم کے حصول کے ہے کہ وہ کس طرح عمل کرتی ہیں اور ان کی تخلیق
کس طرح ہوئی ہے۔ جب آپ لوگوں کو اس کا علم حاصل ہو گیا اُس وقت
آپ کسی ممکن طریقہ سے یہ باور نہیں کر سکتے کہ اشیا خود بخود موجود ہو گئی
ہونگی۔ ارتقا کا مسئلہ بجائے خود درست سہی، مگر ارتقاء کے اندر،
باہر، گرد و پیش ایک ایسی قوت موجود ہے جو خود ارتقاء کو معرض وجود
میں لائی ہے، اس طور سے حکمت آپ کو خوشنما راستوں، حسن اور
راز اور حیرت کے مختلف مناظر سے لے جا کر خدا تک
پہنچا دیتی ہے۔

میں اس جملہ معترضہ کی معافی چاہ کر پھر تعلیم کے مضمون
کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ مجھے آپ لوگوں کو یہ بتانا ہے کہ میرے خیال میں
موجودہ نظام تعلیم عام طور سے کس جگہ ناکامیاب ثابت ہوتا ہے،
اگر میں اپنا خیال ان الفاظ میں ظاہر کر سکتا ہوں تو میں یہ کہوں گا کہ
اس نظام میں انفرادی یعنی ہر ایک شخص کی روح کو پوری طور سے
شائستہ بنانے کی طرف بہت کم توجہ کی جاتی ہے۔ اور نہ انسانی عقل کو
ایسی تربیت دی جاتی ہے کہ وہ حقیقی اور عارضی قدر و قیمت، اور

لازمی اور ضمنی ضروریات میں تمیز اور فرق کر سکے۔ ہم میں سے کتنے ایسے لوگ ہیں جو اعلیٰ تعلیمی اسناد حاصل کرنے کے بعد بے غرضانہ، خلوص دل، صداقت، اخلاص، ہمدردی، فیاضی، اعتدال، اخلاقی جرأت، تصور عزت، اور صحیح خودداری میں ان لوگوں سے بہتر ہیں جو جہلا کے نام سے موسوم کئے جاتے ہیں؟ یہ خیال تکلیف دہ ضرور ہے مگر ساتھ ہی اسکے بالکل صحیح ہے۔ قدیم وضع کے لوگوں کی ضرور یہ کوشش تھی کہ وہ بعض خیالات مثلاً خدا اور انسانی روح کی ذمہ داریوں کو ہمیشہ پیش نظر رکھیں، جس سے ہمارا موجودہ نظام تعلیم بالکل خالی ہے، اور اسی وجہ سے ہم سے نہ صرف تمام شائستگی اور شرافت پیدا کرنے والے خیالات، بلکہ اپنے سے بالاتر کی عظمت بھی مفقود ہو گئی ہے اور موجودہ زمانہ کی اکثر برائیاں اور آفتیں اسی سے پیدا ہوتی ہیں۔ اسی قسم کے تصورات ہمارے خیال کو اس طرف مائل کر دیتے ہیں کہ بہترین تعلیم وہ ہے جو نہ صرف ہماری عقول کو آراستہ کرے، بلکہ ہمارے احساسات کو صحیح راستہ پر لگا دے۔ خود ہمارے قلب میں ایک شمع ہدایت

روشن ہے اور ہماری رہنمائی کیلئے گزشتہ صدیوں کی دانش کا ذخیرہ بھی موجود ہے، تعلیم کا یہ کام ہے کہ وہ اس شمع کی دیکھ بھال کرتی رہے اور اسے روشن رکھے تاکہ ہم اپنے اسلاف کی مجتمعہ دانشمندی سے پوری طرح مستفید ہو سکیں۔ زندگی اور اس طور سے تعلیم کا حقیقی مسئلہ یہ ہے کہ ایک پاک وصاف، صحیح، اور سادی، مفید اور کارآمد زندگی کس طرح بسر کیجا سکتی ہے؟ یہ ایک قابل لحاظ واقعہ ہے کہ دنیا کے بڑے اور بہترین اشخاص نے بہ نسبت اپنے خیالات کے اتباع کے زیادہ تر اپنے جذبات کے اتباع میں کام کیا ہے، کیونکہ ان لوگوں میں خیالات ہمیشہ کسی بڑے، عمدہ، اور فیاض جذبہ کے ماتحت رہتے تھے۔ ہمیں تعلیم ہی کے ذریعہ سے اس منزل تک پہنچنا ہے، اسلئے ہمیں محض خیالات کی اس بھول بھلیاں میں نہ پڑنا چاہئے جو ہماری موجودہ تہذیب نے تعمیر کی ہے، ہماری کوشش یہی ہونی چاہئے کہ ہم صحیح تخیلات کی رہنمائی سے پھر انھیں پاک قلبی جذبات کی طرف رجوع ہو سکیں۔ تعلیم کے اخلاقی پہلو پر اس قدر زور دینے کے بعد مجھے

یہ بیان کرنا چاہئے کہ میرا خیال اور یقین اس تعلق کے نسبت کیا ہے
جو تعلیم اور انسان کے مذہبی اور مخصوص اس احساس میں پایا جاتا ہے
جو Chivalry فتوت یا مروت کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔
مجھے اسکے بیان کرنے میں مطلق تردد نہیں ہے کہ وہ
تعلیم جس پر حقیقی طور سے تعلیم کا اطلاق ہو سکتا ہے وہ ان دونوں
احساسات کو اپنا معین اور مددگار سمجھتی ہے، وہ اپنے آپ کو
پاک و صاف رکھنے کیلئے ان سے استمداد کرتی ہے اور خود انہیں
غلط فہمیوں کے رفع کرنے میں مدد دیتی ہے۔ انسانی فطرت کے
تمام اخلاق حسنہ انہیں دو متفقہ احساسات، خیالات اور
جذبات کے زیر اثر ہوتے ہیں جو علی الترتیب مذہب اور
Chivalry فتوت یا مروت کے نام سے پکارے
جاتے ہیں ان میں ایک پاکیزہ اور شرف افزا تکریم و تعظیم کی
روح حرکت کرتی ہوئی پائی جاتی ہے جو عمل میں آکر افعال حسنہ
کی صورت اختیار کر لیتی ہے، کیونکہ ان دونوں کا تعلق ان
اعلیٰ خیالات سے ہے جنہیں مذہب ابھارتا اور معرض عمل میں

لاتا ہے۔ یہی دونوں احساس اخلاق کی روح رواں ہیں اور یہی
اس میں شریفانہ پرجوش آرزوؤں کے محرک ہوتے، اور مردانہ
ایثار کی حیرت انگیز قابلیت پیدا کر دیتے ہیں۔ اگرچہ یہ ظاہری
صورت میں ادارات ہیں، اور اسی حیثیت سے ان سے بحث
کیجاتی ہے مگر ان کا اصلی منبع انسان کا قلب ہے۔ وہ اس وقت
بھی انسانی اعمال کے بہترین ہادی اور رہنما اصول ہیں اور اس
بنا پر بلا عظیم خطرہ کے ان سے چشم پوشی نہیں کیجا سکتی۔ انکی شکلیں
زمانہ کی تبدیلی کے ساتھ بدلتی رہتی ہیں مگر انکا جوہر کسی وقت بھی نہیں
بدلتا۔ انسان کے دل میں ہمیشہ ان کی جگہ رہیگی اور ہمیشہ یہی اصول
اسے اعلیٰ مدارج کی طرف لیجانے کی کوشش کرینگے۔ صحیح تعلیم پر لازم
ہے کہ وہ اس واقعہ کو تسلیم کرے، اور اگر اسے اپنے آپ کو
اخلاقی ذلت سے بچانا ہے تو ان مددگاروں سے استمداد کرتی رہے

تعلیم اور مسابقت

مجھے تعلیم کے ایک دوسرے پہلو پر بھی نظر ڈالنا

ضرور ہے۔ یہ ایک فطرتی چیز ہے کہ تعلیم سے دل میں سبقت کی خواہش پیدا ہو۔ لیکن سوال یہ ہے کہ ہمیں اپنے ساتھیوں سے کس طرح اور کن امور میں سبقت لیجانا چاہیئے۔ یہ ایسا سوال ہے جس پر ہم بہت کم غور کرتے ہیں۔ یہ مسلّم ہے کہ ہم کبھی اس خواہش سے بری نہیں ہوسکتے کہ اپنے ہم چشموں سے اگر سب امور میں نہیں تو کم از کم بعض امور میں سبقت لیجائیں، مگر ہم دیکھتے ہیں کہ اکثر صورتوں میں یہ خواہش صرف بعض ان دنیاوی فوائد کے حد تک محدود رہتی ہے جو ہمارے دلوں کو بے قرار رکھتے ہیں مثلاً عزّت، عہدہ، حیثیت، دولت وغیرہ اور عام طور سے اُسے اخلاقی اور دماغی سبقت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اب اس پر غور کرنا چاہیئے کہ ان دنیاوی فوائد کا حاصل کر لینا اور دولتمند ہو جانا کیا ہمیشہ ہمارے امکان میں ہے؟ اس کا انحصار حالات پر، اور ایک بڑے درجہ تک دوسروں کی اعانت اور مدد پر ہوتا ہے، جسے ہم ہمیشہ طلب اور حاصل نہیں کرسکتے۔ کیا ایسی حالت میں یہ اس سے بہتر نہ ہوگا کہ ہم اپنا مقصد ان امور کو قرار دیں جن کا حصول کلیۃً ہمارے ہی اختیار میں ہو؟ کیا ہم اپنی

اخلاقی طبیعت کو قوی کر کے قوت حاصل نہیں کر سکتے اور ان اعلیٰ مدارج تک نہیں پہنچ سکتے جو ہمیں بہتر اور زیادہ تر مستقل عظمت کا مستحق قرار دے سکتے ہیں ؟ اس میں کیا امر مانع ہے کہ ہم میں سے مفلس سے مفلس شخص بھی ایماندار، مخلص، صادق، انصاف پسند، بامروت، جری، اور قوی دل ہو جائے، اور اپنی ان صفتوں سے ملک اور قوم کو فائدہ پہنچائے، اور ہم بھی اپنے بہت سے مشاہیر سلف کی طرح ان دنیاوی فواید کو، جو کہ خود بیں اور کوتاہ دل لوگوں کا مرکز آرزو ہوتے ہیں، حقارت کی نظر سے کیوں نہ دیکھیں اور اپنی ان عمدہ اور عظیم الشان روحانی قوتوں کو کیوں نہ پرورش کریں اور بڑھائیں جو ہمیں قوی دل بنا سکتی ہیں ؟ بانیان مذہب و فلسفہ کے حالات کو معائنہ کیجیے اور خود اپنے دل سے سوال کیجیے کہ آیا وہ عزت، دولت یا عہدہ تھا جس نے ان کی عظمت قائم کی۔ خود ہمارے رسول کریمؐ اس سے بہت پہلے سے کہ وہ دنیا کے سامنے اپنی تبلیغ لیکر آئیں "امین" کے خطاب سے مخاطب کیے جاتے تھے۔ اسکی کیا وجہ تھی ؟ اسکی وجہ یہی تھی کہ ان میں صداقت، خلوص،

اور دیانت تھی۔ یہ وہ گوہر شب چراغ تھے جو ان کے موٹے جھوٹے لباس سے چمکتے اور دمکتے نظر آتے تھے۔ یہی وہ اوصاف تھے جسکی بناء پر خداوند تعالیٰ نے انھیں ان کے تمام معاصرین پر سبقت اور ترجیح عطا فرمائی، اور انھیں اوصاف کی بدولت ایک تاریک ماحول میں وہ روشنی پھیلی جو ایک نئی دنیا اور ایک نیا تمدن پیدا کرنیوالی تھی، اور جس نے ایک قوم کو تمام ناپاکیوں سے پاک کر کے انسان کی عمر طبعی کے نصف مدت میں ایک عظیم الشان قوم بنادیا۔ اعلیٰ درجہ کے لوگ اسی طریقہ سے اپنے معاصرین سے سبقت لیجاتے ہیں، وہ اپنی روحانی قوتوں کو دنیاوی فوائد کے حصول میں ضائع نہیں ہونے دیتے۔ آپ لوگوں کو چاہیئے کہ تعلیم سے یہ کام لیں کہ وہ آپ کو سیدھا راستہ بتائے نہ کہ غلط راستہ پر ڈال دے۔

زمانہ کے ساتھ چلنا

جو کچھ کہا گیا ہے یہ آپ میں سے بعض ان لوگوں کو شاید محض خیالی اور ناقابل عمل معلوم ہو، جن کا یہ خیال ہے کہ

"ہمیں زمانہ کے ساتھ چلنا چاہیے" بے شک چلنا چاہیے، لیکن آپ کو یہ بھی دیکھنا ہے کہ اگر آپ بھیڑوں کی طرح اسکے پیچھے چلنے لگے تو وہ آپ کو کہاں لیجائے گا۔ زمانہ انسان کا بنایا ہوا ہے، لازمی طور سے خدا کا بنایا ہوا نہیں ہے؛ چونکہ اس کے بنانے میں انسان کو بہت کچھ دخل ہے اسلئے اس میں بہت سی خرابیاں بھی موجود ہیں، اور بہت سی ایسی چیزیں بھی ہیں جو انسان کی اعلیٰ اور اصلی ضرورتوں کے لحاظ سے بیکار محض ہیں۔ اسلئے ہم بطور اعتقاد کے زمانہ کو غلطیوں سے مبرّا تسلیم کرنے کیلئے آمادہ نہیں ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ انسان بعض اوقات کسی ناقابل مزاحمت قوت کے جوش اور تحریک میں آکر غلطیوں پر غلطیاں، اور بہت سے بیہودہ اور بُرے کام کرتا چلا جاتا ہے اور اس سے چند مفید اور عمدہ کام بھی ظہور میں آتے ہیں؛ پس انھیں واقعات اور حادثات کے بے سروپا اور بے ترتیب انبار سے ہمیں اخلاقی زندگی کے اصول مستنبط کرنے پڑتے ہیں۔ اگر انسان کو زمانہ کی تخریب میں دخل ہے تو اُسے زمانہ کی تہذیب اور درستی میں بھی دخل ہونا چاہیے، اور ہم چاہتے کہ

آپ اسی مقصد کو پیش نظر رکھیں جب کہ آپ کا وقت آئے ۔ جن لوگوں نے دنیا کے ذخیرہ خیالات اور احساسات میں بہترین اضافہ کیا ہے کیا ان میں سے آپ کسی ایک شخص کا بھی نام لے سکتے ہیں جو کلیتاً اور آنکھیں بند کر کے زمانے کے ساتھ چلا ہو؟ میرے ذہن میں دنیا کے بڑے لوگوں میں ایک شخص بھی ایسا نہیں ہے جس کے قدم زمانے کے دھارے سے اکھڑ گئے ہوں اور وہ اسکے ساتھ بہ گیا ہو۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ عظمت اور بڑائی کسی طرح حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ دنیا کا ہر بڑا شخص ابھی تک موجود ہے' انسانی کاروبار کے پرشور دھار کی دسترس سے بالاتر اپنے بلند مقام پر کھڑا ہوا زندگی کے تاریک مقاموں پر روشنی ڈال رہا ہے' اور یہ اسی وجہ سے ہے کہ وہ زمانہ کے دھارے سے بہہ نہیں گیا تھا۔

مہذب زندگی میں ہدایت ہمیشہ اعلےٰ ترین شخص کی طرف سے آنی چاہئے اور یہ اسی وقت ممکن ہوتا ہے جبکہ وہ بہترین اور اعلیٰ ترین دماغ سے نکلی ہو' ایسے ہی دماغ کا پیدا کرنا تعلیم کا مقصد ہے یا ہونا چاہئے۔

مشرقی علوم

اب میں آپ لوگوں کی توجہ اس طرف مبذول کرانا
چاہتا ہوں کہ دوسرے علوم کی تحصیل کے ساتھ ساتھ مشرقی علوم کا
حاصل کرنا بھی ضرور ہے ۔ اسکے لئے ابھی ایک زمانہ چاہئے کہ ہماری یونیورسٹی
قدیم ترین یونیورسٹیوں کا مقابلہ ان کے علوم و فنون میں کر سکے، لیکن
اگر وہ چاہے تو اپنے علوم و فنون میں تھوڑی ہی مدت میں نہ صرف
انکا مقابلہ کر سکتی ہے بلکہ ان سے سبقت لیجا سکتی ہے ۔ ایک زمانہ
سے میری یہ آرزو رہی ہے کہ میں حیدرآباد کو رفتہ رفتہ مشرقی علوم و
فنون، اور خصوصاً ان علوم و فنون کا جن کا تعلق عربی اور فارسی زبانوں
سے ہے، ایک مہتم بالشان مرکز دیکھوں ۔ ان علوم و فنون کے
متعلق کہا جا سکتا ہے کہ وہ ہماری ارث ہیں، کیونکہ اس وقت
ہندوستان بھر میں ہم ہی ان تمدنوں کے تنہا نمایندہ ہیں جن
تمدنوں کے یہ علوم و فنون پھول پھل کہے جا سکتے ہیں ۔ چونکہ ہم
ان دوسرے مشرقی ممالک کے مقابلہ میں جنھیں گزشتہ عظمت کی

یہی روایتیں وراثت میں پہنچی ہیں زیادہ تر پر امن سیاسی فضا میں
رہتے ہیں اسلئے یہ امید کرنا کچھ بیجا نہ ہو گا کہ ہم اس بارہ میں کچھ نہ کچھ
کر سکتے ہیں بشرطیکہ عثمانیہ یونیورسٹی اس کام کو اپنے ذمہ لے۔ یہ
ایک بڑی خدمت ہو گی کیونکہ اس قوت و عظمت کے متعلق جو
مشرقی ادب میں پوشیدہ ہے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ ایک صرف شدہ
قوت ہے، اگر ہم اسکی یاد تازہ رکھیں تو وہ ہماری موجودہ زندگی کیلئے
جس سے ہمارا مستقبل بننے والا ہے، ایک حیات بخش ذریعہ ثابت
ہو گی۔ آپ لوگوں کو یاد رکھنا چاہئے کہ اگرچہ ممالک غیر کے علم ادب
ادارات، اور طریقوں کے علم سے ہمیں اشارات، مثالیں اور
کار آمد ہدایتیں ضرور مل سکتی ہیں، مگر وہ حقیقی جوش جو ایک قوم
کے دلوں اور قوتوں کو ابھارتا اور حرکت میں لاتا ہے خود اس
قوم کی تاریخ کے اہم اور بہترین واقعات کی یاد سے پیدا ہو سکتا
ہے۔ دنیا میں ہم نے بڑے بڑے کام کئے ہیں اور ہماری تاریخ
تین براعظموں میں نہایت جلی حرفوں میں لکھی ہوئی ہے۔ ایک
نہایت مختصر ابتدا سے جو ایک شخص کے چند الفاظ پر مشتمل تھی

ہم چند سال کی عرض مدت میں ایک ایسی سلطنت قایم کرنے کے قابل ہو گئے جو ہندوستان سے لیکر ہسپانیہ تک پھیلی ہوئی تھی اور جو اپنی وسعت اور حسن انتظام کے لحاظ سے کسی طرح آگسٹس کے زمانہ کی سلطنت روما سے کم نہ تھی، اور سب سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ ہماری سلطنت روما کی سلطنت کے خلاف ایک ایسی تہذیب تمدن کی نمایندہ تھی جو اس وقت تک ملکی حدود کے قیود سے آزاد ہے کیونکہ اس نے خیال جذبات اور تمدن کا ایک نیا عالم پیدا کر دیا ہے۔ میں آپ لوگوں کو یہ واقعات محض اس غرض سے یاد دلا رہا ہوں کہ ہندو اور مسلمان طلبہ کے ذہن نشین ہو جائے کہ جو علوم و فنون انھیں اسلاف سے ترکہ میں ملے ہیں اسکے بہترین اجزا کی تحصیل اور توفیر سے وہ کیا حاصل کر سکتے ہیں اور انکی طرف سے غافل ہو جانے میں ان کا کیا نقصان ہے۔ اس سے میرا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ جو نفائیس اور نوادر ہمیں مغرب سے پہنچیں اسکی تحقیر کیجائے۔ برخلاف اسکے آپ لوگوں کو انھیں قیمتی تحفے سمجھکر ان کی بیحد قدر کرنی چاہئیے، وہ آپ کے قوائے دماغی کو

تربیت دینے میں مفید ثابت ہوں گے، اور ان کے ذریعہ سے آپ لوگ خود اپنے علوم و فنون کو زیادہ تر آسانی سے سمجھنے اور قدر کرنے کے قابل ہو جائینگے اور اسکے علاوہ موجودہ حالات زندگی میں وہ آپ کو بہتر کارگزار بنا سکیں گے۔

صنعت اور حرفت کی تعلیم

اب میں صنعت و حرفت کی تعلیم کے اہم مضمون کو لیتا ہوں اور آپ کو بتاتا ہوں کہ کام مختلف قسم کے ہوتے ہیں، بعض دماغ اور بعض ہاتھ کیلئے موزوں ہیں۔ انسان کو اس زندگی میں یہ دونوں کام کرنے پڑتے ہیں جس حالت میں آپ لوگوں کا دماغ خیال کے اعلیٰ مراتب کے طے کرنے میں لگا ہو آپ اپنے ہاتھوں کو مفید اشیاء کے بنانے میں مشغول رکھئے تاکہ زندگی زیادہ تر آرام دہ اور اسکی ظاہری صورت زیادہ تر خوشنما ہو جائے۔ اسی میں قوموں کی بڑائی کا راز چھپا ہوا ہے اور اسی ذریعہ سے مغربی قوموں نے اپنے آپ کو دولتمند اور قوی بنا لیا ہے اور

اسی دولت اور قوت کے ذریعہ سے بالآخر تمام دنیا پر حکمراں
ہوگئی ہیں۔ یہ انھوں نے دنیا کی یونیورسٹی میں سیکھا ہے، عملی
یونیورسٹیوں پر واجب ہے کہ وہ اس واقعہ پر انکے تمام عملی پہلوؤں
کے ساتھ غور، بحث، اور فکر کریں تاکہ انکے طلبہ کے خیالات
موجودہ زندگی کے اس مرکزی واقعہ کی طرف متوجہ ہوسکیں۔ ترقی یافتہ
دنیا کا اب یہ خیال نہیں ہے کہ یونیورسٹیاں خالی الفاظ کی تخم ریزی
کی کیاریاں، یا نمائش کے لئے ڈگریوں کے نشو و نما کے چمن ہیں۔
ڈگری کے معنی کسی قسم کی قابلیت کے ہیں یا سمجھے جاتے ہیں اور
قابلیت کے معنی دنیا کے عملی کاموں کی انجام دہی کی استعداد ہے۔
اس سے جو کچھ نتیجہ نکلتا ہے وہ یہ ہے کہ صاحب ڈگری کو اس قابل
ہونا لازم ہے کہ وہ اس عملی دنیا میں کوئی عمل اپنے ہاتھ سے کرسکے
تاکہ وہ اپنی روزی پیدا کرنے کے قابل ہوجائے، اور اپنی جماعت
کا ایک کارآمد اور مفید رکن ثابت ہو، مگر ہندوستان کے اکثر
ڈگری یافتہ اس حقیقت سے ابھی تک پوری طرح واقف نہیں
ہوئے ہیں۔ وہ اقتصادی دنیا میں اپنے نشان امتیاز کو ڑے

عہدوں اور حقوق کے دعوی کیلئے کافی سمجھتے ہیں اور ان کا مطمح نظر صرف سرکاری ملازمت ہوتی ہے۔ اسکا کیا نتیجہ ہے؟ اسکا نتیجہ یہ ہے کہ دور زندگی اس جماعت کو غیر مطمئن پیچھے چھوڑ کر آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔ برٹش انڈیا کی مثال ہماری آنکھوں کے سامنے ہے اور اگر ہم میں امتیاز اور سمجھ کی کوئی قوت باقی رہ گئی ہے تو ہمیں اس سے انتباہ حاصل کرنا چاہئے۔ میں آپ سب لوگوں کو نہ صرف مشورہ دونگا بلکہ التجا کروں گا کہ آپ اس معاملہ پر اچھی طرح غور کریں اور بروقت اپنے آپ کو زندگی کے میدان کارزار کیلئے تیار کرلیں جس میں آپ کو بجائے الفاظ کے افعال اور بجائے زبان کے ہاتھوں سے کام لینا پڑیگا۔ آپ کو اپنا مطمح نظر بدل دینا اور ڈگری کو زندگی کے عملی کام کرنیکی تیاری کا صرف ایک پروانہ تصور کرنا چاہئے نہ یہ کہ آپ تھوڑا سا علم حاصل کرلینے کی وجہ سے اس اہم اور ضروری کام کرنے سے نفرت کرنے لگیں جو ایک تربیت یافتہ دماغ کی زیر ہدایت صرف ہاتھوں سے انجام پاسکتا ہے۔ یہ خوشی کی بات ہے کہ ہماری حکومت نے

آخر کار صنعت اور حرفت کی تعلیم کے متعلق اپنے فرض کو محسوس
کرکے اسکے حصول کے ذرایع مہیّا کردئے ہیں اور میں اس
خوش قسمت دن کا منتظر ہوں جس دن عثمانیہ یونیورسٹی اس جدید
ادارہ کے ساتھ ہو کر فی الحقیقت برادرانہ محبّت اور برتاؤ سے
کام کرنے لگے گی۔

سیاسیات

اپنی تقریر ختم کرنے سے پہلے میں آپ لوگوں کو ان
خطرات سے آگاہ کردینا چاہتا ہوں جو اس مضطرب زمانہ کے
سیاسیات میں دخل دینے سے پیش آسکتے ہیں۔ سیاسیات کیطرف
خواہ انکا مفہوم صحیح طور سے سمجھ میں آئے یا نہ آئے' انسانی عقول
کو ایک قوی میلان ہوتا ہے' لیکن خام اور غیر تربیت یافتہ دماغوں
کا اس مضمون میں دخل دینا خوفناک ہے کیونکہ ایسے لوگوں کا حد
اعتدال سے گزر جانا بہت ممکن ہے۔ یاد رکھیے کہ اچھے دل و دماغ
سے اچھی سیاست اور برے دل و دماغ سے بری سیاست

پیدا ہوتی ہے دنیا کی تاریخ نے اسے ثابت کر دیا ہے، اور اسوقت
بھی ثابت کر رہی ہے؛ اسلئے میں طلبہ کو جو اس سے برتر کاموں
میں مصروف ہیں کبھی یہ مشورہ نہ دونگا کہ وہ اپنی تعلیم کے زمانہ میں
اپنے خیالات کو سیاسیات سے منتشر ہونے دیں۔ البتہ وہ سیاسیات
بحیثیت ایک علم کے حاصل کر سکتے ہیں جس کی بنیاد علم اخلاق پر
قائم ہے۔ یہ ارسطاطالیس کی نہایت دانشمندانہ پیش بینی تھی کہ
اس نے سیاسیات کے دونوں شعبوں کے باہمی تعلقات کا اظہار
کر دیا اور اپنے اخلاقی رسالہ کو اپنے سیاسیات کا دیباچہ قرار دیا
اگر سیاسیات کو انسانی نظام تمدن میں عمدہ اور مفید بنانا ہے تو
یہ امر لازم ہے کہ پہلے خود انسان جس سے وہ نظام تمدن مرکب
ہے عمدہ اور مفید بنائے جائیں اور یہ صرف صحیح الاصول اخلاق
کے ذریعہ سے ہو سکتا ہے۔ جب کبھی ہم اس اہم واقعہ سے غافل ہو جاتے
ہیں اسوقت ہم ٹھیک راستہ سے بھٹک جاتے ہیں۔ اس کا
ثبوت بھی پوری طور سے دنیا کی تاریخ سے ملتا ہے۔ جو کچھ میں
اسوقت تک کہتا رہا ہوں اسکے خلاصہ کے طور سے میں آپ

لوگوں کو یاد دلانا چاہتا ہوں کہ یونیورسٹی ملک کیلئے اچھے قابل اور مفید آدمیوں کے بنانے کا ایک کارخانہ ہے، وہ ایسے لوگ پیدا کرکے اوصاف کا ایک اعلیٰ پیمانہ قائم کردیتی ہے۔ ایسی حالت میں کیا یہ آپ لوگوں پر لازم نہیں ہے کہ آپ اس اعلیٰ پیمانہ تک پہنچنے کی کوشش کریں اور کیا، ہر آنیوالی نسل کا یہ فرض نہیں ہے کہ وہ اس پیمانہ کو اور اونچا کرتی جائے؟ آپ لوگوں کو یہ کبھی نہ بھول جانا چاہئے کہ ملک کے ہر باشندے کا اصلی فرض یہ ہے کہ وہ اپنی بہترین قابلیت سے ملک اور حکومت کو ایک حصّہ دے اگرچہ اسکی مقدار کتنی ہی قلیل کیوں نہ ہو اور یہ ان قابل ہاتھوں کا کام ہونا چاہئے جو ایک قابل اور فیاض دماغ کی ہدایت اور رہنمائی میں چل رہے ہوں۔ یونیورسٹی پر اسکے مبیّنہ مقاصد، اور ان آبانیوں کے لحاظ سے جو اسے حاصل ہیں یہ فرض عاید ہوتا ہے کہ وہ ریاست کیلئے ہدایت کے واسطے قابل دماغ اور کام کرنے کیلئے لایق ہاتھ پیدا اور مہیا کرے۔ اور آیندہ یہی عثمانیہ یونیورسٹی کی اس دلی شکرگزاری اور وفاشعاری کا معیار قرار پائیگا جو ایسے

فرمانروا اور ایسی ریاست کے احسان کے متعلق واجب الادا ہے جسکی
گراں بہا فیاضی اور مسلسل تائید سے وہ اپنی مفید زندگی شروع کرنے کے
قابل ہوئی ہے۔

میں آپ لوگوں میں سے انھیں جنھوں نے اپنے زمانہ
تعلیم میں اسوقت تک کوئی امتیاز حاصل کیا ہے مبارکباد دیتا اور یہہ
امید کرتا ہوں کہ اگر سب نہیں تو آپ لوگوں کا بڑا حصّہ اپنے آپ کو اس
قسم کا اعلیٰ درجہ کا تعلیم یافتہ، شریف خیال، پاک دل، جری اور قابل
انسان ثابت کرسکیگا جس کا تصور میرے ذہن میں ہے۔

آخر میں میں آپ لوگوں کو فرقہ داری اختلاف کے
خطرات سے بھی چند الفاظ میں متنبہ کردینا ضروری سمجھتا ہوں۔ ایسے صریح
مضمون پر تفصیل سے بحث کرنا بیکار محض ہے، صرف اتنا کہدینا کافی ہے کہ
اس زمانہ میں سوائے کم سمجھ اور بدطینت لوگوں کے، کوئی شخص اختلاف مذہب
کی بنا پر لڑتا جھگڑتا نہیں۔ حیدرآباد کا دامن ہمیشہ اس داغ سے پاک رہا ہے
اور مجھے اُمید ہے کہ ہمیشہ رہیگا، لیکن مستقبل کے دروازہ کی پاسبانی آپ
طالبعلموں کا کام ہے۔